میں سے ہے نہ ساہوکاری میں اور پھر پیرا تو سلیا سے جتنا کام نکلتا ہے اتنا باھمن کی کنیا سے کیا ہوگا۔ وہ تو یونہی بیٹھی رہے گی۔ بہت ہوگا تو روٹی بنا دے گی یہاں سلیا اکیلی تین آدمیوں کا کام کرتی ہے اور میں اسے روٹی کے سوا اور کیا دیتا ہوں بہت ہوا تو سال میں ایک دھوتی سے دی۔"

دوسرے پیڑ کے نیچے داتادین کا نجی "پیرا" (اناج مانڈنے کی جگہ) تھا۔ چار بیلوں سے منڈائی ہو رہی تھی۔ دھنّا چمار بیلوں کو ہانک رہا تھا۔ سلیا پیری سے اناج نکال نکال کر اُسا رہی تھی اور ماتادین دوسری طرف بیٹھا ہوا اپنی لاٹھی پر تیل مل رہا تھا۔

سلیا سانولی سلونی اور چھریری لڑکی تھی جو شکیل نہ ہونے پر بھی دلکش تھی اس کی ہنسی میں، چتون میں، اس کی حرکتوں میں مسرت کا جنون تھا جس سے اس کا عضو عضو ناچتا رہتا تھا۔ سر سے پیر تک بھس کے ذروں سے آلودہ، پسینے سے تر سر کے بال آدھے کھلے، دوڑ دوڑ کر اناج اُسا رہی تھی، گویا دل وجان سے کسی کھیل میں معروف تھی۔

ماتادین نے کہا "آج سانجھ تک اناج باکی (باقی) نہ رہے سلیا تو تھک گئی ہو تو میں آؤں۔"

سلیا خوش ہو کر بولی "تم کاہے کو آؤ گے پنڈت! میں سانجھ تک سب اساڑالوں گی"

"اچھا تو میں اناج ڈھو ڈھو کر رکھ آؤں، تو اکیلی کیا کیا کرلے گی۔"

"تو تم گھبراتے کیوں ہو؟ میں اُسا بھی دوں گی اور ڈھو کر رکھ بھی آؤں گی پہر رات تک یہاں ایک دانہ بھی نہ رہنے گا۔"

دُلاری آج اپنی بافتی وصول کر رہی تھی۔ سلیا اس کی دوکان سے ہولی کے دن دو پیسے کا گلابی رنگ لائی تھی اور ابھی تک پیسے نہیں دیئے تھے۔ وہ سلیا

کے پاس جاکر بولی "کیوں ری سلیا، مہینہ بھر رنگ لائے ہوگیا اور ابھی تک پیسے نہیں دیئے۔ مانگتی ہوں تو مٹک کر چلی جاتی ہے۔ آج میں نا پیسے لئے نہ جاؤں گی"

ماتادین چپکے سے کھسک گیا۔ سلیا کا سب کچھ لے کر بھی وہ بدلے میں کچھ نہ دینا چاہتا تھا۔ سلیا اب اس کی نگاہ میں صرف کام کرنے کی مشین تھی اور نہیں اس کی محبت کو وہ بڑی چالاکی سے بچاتا رہتا تھا۔

سلیا نے آنکھ اٹھا کر دیکھا، ماتادین وہاں نہ تھا۔ بولی: "چلا دُمت سیٹھانی یہ لے لو دو کی جگہ چار پیسے کا اناج۔ اب کیا جان لوگی؟ میں مری تھوڑے ہی جاتی تھی"

اس نے اندازہ سے کوئی سیر بھر اناج ڈھیر میں سے نکال کر سیٹھانی کے پھیلے ہوئے آنچل میں ڈال دیا۔ اسی وقت ماتادین پیڑ کی آڑ سے جھلایا ہوا نکلا اور دلاری کا آنچل پکڑ کر بولا "اناج سیدھے سے رکھ دو سیٹھانی، لوٹ نہیں ہے"

پھر اس نے سُرخ سُرخ آنکھوں سے سلیا کو دیکھ کر ڈانٹا "تو نے اناج کیوں دیا؟ کس سے پوچھ کر دیا؟ تو کون ہوتی ہے میرا اناج دینے والی؟"

سیٹھانی نے اناج ڈھیر میں ڈال دیا اور سلیا متحیر ہو کر ماتادین کا منہ تاکنے لگی۔ ایسا معلوم ہوا کہ جس ڈال پر وہ بے فکری سے بیٹھی ہوئی تھی وہ ٹوٹ گئی ہے اور اب وہ بلا سہارے کے نیچے گری جا رہی ہے۔ کھسیائے ہوئے منہ سے آنسو بھر کر دلاری سے بولی "تمھارے پیسے میں پھر دے دوں گی، سیٹھانی جی، آج مجھ پر دیا کرو"

سیٹھانی نے اسے رحم کی نگاہوں سے دیکھا اور ماتادین کو ملامت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہوئی چلی گئی۔ تب سلیا نے اناج اساتے ہوئے چوٹ کھائے ہوئے گھمنڈ سے پوچھا "تمھاری بچ (چیز) پر میرا کچھ اکھیتار (اختیار)

نہیں ہے؟"

ماتادین آنکھیں نکال کر بولا: "نہیں، تیرا کوئی اختیار نہیں ہے، کام کرتی ہے کھاتی ہے، جو تو چاہے کھا بھی اور لٹا بھی تو یہ نہ ہوگا۔ اگر تجھے یہاں پڑ رہنا نہ پڑتا ہو تو کہیں اور جا کے کام کر۔ مجوروں کی کمی نہیں ہے۔ سینت میں کام نہیں لیتے، کھانا کپڑا دیتے ہیں۔"

سلیا نے اُس چڑیا کی طرح جسے مالک نے پر کاٹ کر پنجرے سے نکال دیا ہو، ماتادین کی طرف دیکھا۔ اس کی چتون میں درد زیادہ تھا یا شکوہ، یہ کہنا مشکل ہے۔ مگر اُسی چڑیا کی طرح اس کا دل پھڑ پھڑا رہا تھا۔ اور اونچی ڈال پر اس آزاد فضا میں اڑنے کی سکت نہ پا کر اسی پنجرے میں جا بیٹھنا چاہتا تھا، خواہ اسے بے آب و دانہ رہ کر پنجرے کی تیلیوں سے سر ٹکراتے ہوئے مرہی کیوں نہ جانا پڑے۔ سلیا سوچ رہی تھی کہ اب اس کے لئے دوسری کون سی جگہ ہے وہ بیاہتا (منکوحہ) نہ ہو کر بھی فطرتاً اور عملاً بیاہتا تھی اور اب ماتادین چاہے اسے مارے یا کاٹے اسے دوسرا سہارا نہیں ہے۔ اسے وہ دن یاد آئے اور ابھی دو سال بھی تو نہیں ہوئے۔ جب یہی ماتادین اس کے تلوے چاٹتا تھا، جب اس نے جینو ہاتھ میں لے کر کہا تھا: "سلیا! جب تک دم میں دم ہے، تجھے بیاہتا کی طرح رکھوں گا۔" جب وہ بے قرار ہو کر جنگل اور باغ میں اور ندی کے کنارے اس کے پیچھے پیچھے دیوانوں کی طرح پھرا کرتا تھا۔ اور آج اس کا یہ بے دردانہ سلوک! مٹھی بھر اناج کے لئے اس کا پانی اتار لیا!

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ حلق میں نمک کی ایک ڈلی سی محسوس کرتی ہوئی زخمی دل اور سست ہاتھوں سے پھر کام کرنے لگی۔

اسی وقت اُس کے ماں باپ، دونوں بھائی اور کئی چاروں نے

نہ جانے کدھر سے آکر ماتادین کو گھیر لیا۔ سلیا کی ماں نے آتے ہی اس کے ہاتھ سے اناج کی ٹوکری چھین کر پھینک دی اور گالی دے کر بولی "رانڈ جب تجھے مجوری ہی کرنی تھی تو گھر کی مجوری چھوڑ کر یہاں کیوں مرنے آئی؟ جب باہمن کے ساتھ رہتی ہے تو باہمن کی طرح رہ۔ ساری برادری کی ناک کٹوا کر بھی چمارن بنا تھا تو یہاں کیا گھی کا لوندا لینے آئی تھی؟ چلو بھر پانی میں ڈوب نہیں مرتی"۔

جھنگری سنگھ اور ماتادین دونوں دوڑے اور چماروں کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر انھیں مطمئن کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ جھنگری نے سلیا کے باپ سے پوچھا: کیا بات ہے چودھری؟ کس بات کا جھگڑا ہے؟"

سلیا کا باپ ہرکھو ساٹھ سال کا بوڑھا تھا۔ کالا، دبلا اور سوکھی مرچ کی طرح پچکا ہوا، مگر اتنا ہی تلخ و تیز! بولا "جھگڑا کچھ نہیں ہے ٹھاکر، ہم آج یا تو ماتادین کو چمار بنا کر چھوڑ دیں گے یا ان کا اور اپنا رگت (خون) ایک کر دینگے سلیا کنیا جات ہے، کسی نہ کسی کے گھر تو جائے گی ہی، اس پر ہمیں کچھ نہیں کہنا پر اسے جو کوئی بھی رکھے۔ وہ ہمارا ہو کر رہے۔ تم ہمیں باہمن نہیں بنا سکتے مُدا (مگر) ہم تمھیں چمار بنا سکتے ہیں۔ ہمیں باہمن بنا دو، ہماری ساری برادری بننے کو تیار ہے۔ جب یہ سامرتھ (سکت) نہیں تو تم بھی چمار بنو، ہمارے ساتھ کھاؤ پیو، ہمارے ساتھ اٹھو بیٹھو۔ ہماری اجّت (عزت) لیتے ہو تو اپنا دھرم ہمیں دو"۔

داتا دین نے لاٹھی گھما کر کہا "منہ سنبھال کر باتیں کر ہرکھو! تیری لڑکی وہ کھڑی ہے، لے جا، جہاں چاہے۔ ہم نے اسے باندھ نہیں رکھا ہے۔ کام کرتی تھی مجوری لیتی تھی۔ یہاں مجوروں کی کمی نہیں ہے"۔

سلیا کی ماں انگلی مٹکا کر بولی "واہ واہ پنڈت، اچھا نیاؤ کرتے ہو، تمھاری

لڑکی کسی چمار کے ساتھ نکل گئی ہوتی اور تم اس طرح کی باتیں کرتے تو دیکھتی ہم چمار ہیں اس لئے ہماری کوئی اجت نہیں! ہم سلیا کو اکیلی نہ لے جائیں گے، اس کے ساتھ ماتادین کو بھی لے جائیں گے جس نے اس کی اجت بگاڑی ہے۔ تم بڑے نمی دھرمی ہو۔ اس کے ساتھ سوؤ گے، پر اس کے ہاتھ کا پانی نہ پیوگے! وہی چڑیل ہے کہ یہ سب سہتی ہے۔ میں تو ایسے آدمی کو سنکھیا دے دیتی۔"

ہرکھو نے اپنے ساتھیوں کو للکارا: "سن لی ان لوگوں کی بات کہ نہیں؟ اب کیا کھڑے منہ تاکتے ہو۔"

اتنا سننا تھا کہ دو چماروں نے لپک کر ماتادین کے ہاتھ پکڑے اور تیسرے نے جھپٹ کر اس کا جنیو توڑ ڈالا اور اس کے قبل کہ ماتادین اور جھنگری سنگھ اپنی اپنی لاٹھیاں سنبھال سکیں دو چماروں نے ماتادین کے منہ میں ایک بڑی ہڈی کا ٹکڑا ڈال دیا۔ ماتادین نے دانت جکڑ لئے پھر بھی وہ گھن کی چیز اس کے ہونٹوں میں تو لگ ہی گئی، انھیں متلی ہوئی اور منہ خود بخود کھل گیا۔ اور ہڈی حلق تک جا پہنچی اتنے میں کھلیان کے سب آدمی جمع ہو گئے مگر تعجب تو یہ ہے کہ کوئی ان دھرم کے لیڑوں سے مزاحم نہ ہوا۔ ماتادین کا برتاؤ سب ہی کو ناپسند تھا۔ وہ گانوں کی بہو بیٹیوں کو تاکا کرتا تھا۔ پس دل میں سب ہی اس کی درگت پر خوش تھے۔ ہاں ظاہرا لوگ چماروں پر رعب جما رہے تھے۔

ہوری نے کہا: "اچھا اب بہت ہوا ہرکھوا، بھلا چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ۔"

ہرکھو نے بے خوفی سے جواب دیا: "تمہارے گھر میں بھی لڑکیاں ہیں ہوری مہتو! اتنا سمجھ لو۔ اس طرح گانوں کی مرجاد بگڑنے لگی تو کسی کی آبرو نہ بچے گی ایک لمحے میں دشمن پر پوری فتح پا کر حملہ آور دل نے وہاں سے ٹل جانا

ہی مناسب سمجھا۔ لوگوں کی رائے بدلتے دیر نہیں لگتی، اس سے بچے رہنا ہی اچھا ہے۔
ماتا دین قے کر رہا تھا۔ دا تا دین نے اس کی پیٹھ سہلاتے ہوئے کہا: "ایک ایک کو پانچ پانچ سال کے لئے بڑے گھر نہ بھجوایا تو کہنا۔ پانچ پانچ سال تک چکی پسواؤں گا۔"

ہرکھو نے ہیکڑی سے جواب دیا: "اس کا یہاں کوئی گم (غم) نہیں ہے کون تمھاری طرح بیٹھے موج کرتے ہیں؟ جہاں کام کریں گے وہیں آدھا پیٹ دانہ مل جائے گا۔"

ماتا دین قے کر چکنے کے بعد مردہ سا زمین پر پڑ رہا گویا کمر ٹوٹ گئی ہو، گویا ڈوب مرنے کے لئے چلو بھر پانی کی تلاش ہو جس عزت کے بل بوتے پر اس کی رنگین مزاجی اور رعونت اور مردیت اکڑتی پھرتی تھی وہ مٹ چکی تھی۔

اس ہڈی کے ٹکڑے نے صرف اس کے منہ کو نہیں بلکہ اس کی روح کو بھی ناپاک کر دیا تھا۔ اس کا دھرم اسی کھلانے پینے اور چھوت اچھوت کے سمجھنے پر قائم تھا۔ آج اس دھرم کی جڑ کٹ گئی۔ اب وہ لاکھ پراشچت (کفارہ) کرے، لاکھ گوبر کھائے اور گنگا جل پیئے، لاکھ دان پن اور تیرتھ برت کرے، اس کا مرا ہوا دھرم جی نہیں سکتا اگر تنہائی کی بات ہوتی تو چھپا لی جاتی مگر یہاں تو سب کے سامنے اس کا دھرم لٹا۔ اب اس کا سر ہمیشہ کے لئے نیچا ہو گا۔ آج سے وہ اپنے ہی گھر میں اچھوت سمجھا جائے گا۔ اس کی ماتا بھری ہاں بھی اس سے گھن کرے گی اور سنسار سے دھرم ایسا اٹھ گیا کہ اتنے آدمی کھڑے سب ہی تماشا دیکھتے رہے، کسی نے چوں تک نہ کی۔ ایک لمحہ پہلے جو لوگ اسے دیکھتے ہی پالاگن کرتے تھے اب اسے دیکھ کر منہ پھیر لیں گے۔ وہ کسی مندر میں بھی نہ جا سکے گا، نہ کسی کے برتن چھو سکے گا۔ اور یہ سب اس اچھا گنی سلیا کے کارن۔

سلیا جہاں اناج اسار رہی تھی وہیں سر جھکائے کھڑی تھی جیسے یہ اسی

کی دُرگت ہو رہی ہو۔ یکایک اس کی ماں نے آکر ڈانٹا: "کھڑی تاکتی کیا ہے؟ چل سیدھے گھر! نہیں تو بوٹی بوٹی کاٹ ڈالوں گی۔ باپ دادا کا نام تو کھوب (خوب) اجاگر کر چکی اب اور کیا کرنے پر لگی ہے؟"

سلیا بُت بنی کھڑی رہی۔ ماں باپ اور بھائیوں پر اُسے غصہ آرہا تھا یہ لوگ کیوں اس کے بیچ میں بولتے ہیں؟ وہ جیسے چاہتی ہو رہتی ہو، دوسروں سے کیا مطلب؟ کہتے ہیں کہ یہاں تیری ہتک ہوتی ہے۔ تب کیا کوئی باھن اس کا پکایا کھائے گا یا اس کے ہاتھ کا پانی پی لے گا؟ ابھی ذرا دیر پہلے اس کا دل ماتا دین کے برتاؤ سے بیزار ہو رہا تھا، مگر اپنے گھر والوں اور برادری کی اِس زیادتی نے اُس نفرت کو گہری رغبت میں تبدیل کر دیا۔ احتجاج کے لہجے سے بولی: "میں کہیں نہ جاؤں گی۔ تو کیا یہاں بھی مجھے جینے نہ دے گی؟"

بڑھیا نے کڑی آواز میں کہا: "تو نہ چلے گی؟"

"نہیں۔"

"چل سیدھے سے۔"

"نہیں جاتی۔"

فوراً دونوں بھائیوں نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے اور اسے گھسیٹتے ہوئے لے چلے۔ سلیا زمین پر بیٹھ گئی۔ بھائیوں نے اس پر بھی نہ چھوڑا، گھسیٹتے ہی رہے۔ اس کی ساڑی پھٹ گئی۔ پیٹھ اور کمر کی کھال چھل گئی، پھر بھی وہ جانے پر راضی نہ ہوئی۔

تب ہرکھو نے لڑکوں سے کہا: "اچھا اب اسے چھوڑ دو، سمجھ لیں گے کہ مر گئی۔ مگر اب جو کبھی میرے دوارے پر آئی تو لو ہو پی جاؤں گا۔"

سلیا جان پر کھیل کر بولی: "ماں جب بھائے دوارے پر جاؤں تو

پی لینا۔"

بڑھیا نے غصّے کے جنون میں سلیا کو کئی لاتیں جمائیں اور ہرکھو نے اسے ہٹا نہ دیا ہوتا تو شاید جان ہی لے کر چھوڑتی۔

بڑھیا پھر جھپٹی تو ہرکھو نے اسے دھکے دے کر پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا "تو بڑی ہتیارنی ہے، کلیا! کیا اسے مار ہی ڈالے گی؟"

سلیا باپ کے پیروں سے لپٹ کر بولی: "مار ڈالو دادا، سب لوگ مل کر مار ڈالو! ہائے اماں، تم اتنی بے درد ہو، اسی لئے دودھ پلا کر پالا تھا؟ پیدا ہوتے ہی کیوں نہ گلا گھونٹ دیا؟ ہاں میرے پیچھے پنڈت کو بھی تم نے بھرشٹ کر دیا۔ اُن کا دھرم لے کر تمھیں کیا ملا؟ اب تو وہ نہ پوچھے گا، مگر پوچھے یا نہ پوچھے رہوں گی تو اسی کے ساتھ، وہ مجھے چاہے بھوکوں رکھے چاہے مار ڈالے، پر اس کا ساتھ نہ چھوڑوں گی۔ ان کی اتنی دُرگت کرا کے کیسے چھوڑ دوں مرجاؤں گی، پر ہرجائی نہ بنوں گی۔ ایک بار جس نے بانہہ پکڑ لی اسی کی رہوں گی۔"

کلیا نے ہونٹ چبا کر کہا "جانے دو رانڈ کو۔ سمجھتی ہے کہ وہ اس کا نباہ کرے گا مگر آج ہی مار کر بھگا نہ دے تو منہ نہ دکھاؤں۔"

بھائیوں کو بھی رحم آگیا۔ سلیا کو وہیں چھوڑ کر سب کے سب چلے گئے تب وہ آہستہ سے اٹھ کر لنگڑاتی اور کراہتی ہوئی کھلیان میں جا کر بیٹھ گئی اور آنچل سے منہ ڈھانک کر رونے لگی۔

داتا دین نے جُلاہے کا غصّہ داڑھی پر اتارا۔ "ان کے ساتھ چلی کیوں نہیں گئی سلیا؟ اب کیا کرانے پر لگی ہوئی ہے؟ میرا ستیا ناس کرا کے بھی پیٹ نہیں بھرا؟"

سلیا نے آنسو بھری آنکھیں اوپر اٹھائیں۔ اُن میں نور کی جھلک تھی،

بولی: "ان کے ساتھ کیوں جاؤں؟ جس نے بانہہ پکڑی ہے اسی کے ساتھ رہونگی۔"

پنڈت جی نے دھمکایا: "میرے گھر میں پاؤں رکھا تو لاتوں سے بات کروں گا۔"

سلیا نے گستاخانہ کہا: "مجھے جہاں وہ رکھیں گے وہاں رہوں گی پیڑ تلے رکھیں، چاہے محل میں رکھیں۔"

ماتادین بدحواس سا بیٹھا تھا۔ دوپہر ہونے کو تھی۔ دھوپ پتیوں سے چھن چھن کر اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی، ماتھے سے پسینہ ٹپک رہا تھا مگر وہ خاموش بلا حس و حرکت بیٹھا ہوا تھا۔

دفعتاً جیسے اس نے ہوش میں آکر کہا: "میرے لئے اب کیا کہتے ہو دادا؟"

ماتادین نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ڈھارس دیتے ہوئے کہا: "تمہارے لئے ابھی میں کیا کہوں بیٹا؟ چل کر نہاؤ، کھاؤ، پھر پنڈتوں کی جیسی رائے ہوگی کیا جائے گا۔ ہاں ایک بات ہے، سلیا کو اب چھوڑنا پڑے گا۔"

ماتادین نے سلیا کی طرف خون بھری آنکھوں سے دیکھا: "میں اب کبھی اس کا منہ نہ دیکھوں گا۔ مگر پراسچت ہو جانے پر پھر تو کوئی دوکھ نہ رہے گا؟"

"پراسچت ہو جانے پر کوئی دوکھ پاپ نہیں رہتا۔"

"تو آج ہی پنڈتوں کے پاس جاؤ۔"

"آج ہی جاؤں گا بیٹا!"

"مگر پنڈت کہیں کہ اس کا پراسچت نہیں ہو سکتا تب؟"

"وہ جو کچھ کہیں۔"

"تو تم مجھے گھر سے نکال دو گے؟"

داتادین نے پدرانہ محبت سے بے قرار ہو کر کہا: "ایسا کہیں ہو سکتا ہے بیٹا؟ دھن جائے، دھرم جائے، مرجاد جلائے، پر تمھیں نہیں چھوڑ سکتا۔"

داتادین نے لاٹھی اٹھائی اور باپ کے پیچھے پیچھے گھر چلا۔ سلیا بھی اٹھی اور لنگڑاتی ہوئی اس کے پیچھے ہولی۔ داتادین نے پیچھے پھر کر بے دردی سے کہا: "میرے ساتھ مت آ۔ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔ اتنی دُرگت کو دا کے بھی تیرا پیٹ نہیں بھرا؟"

سلیا نے گستاخانہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا: "واسطہ کیسے نہیں ہے؟ اسی گانوں میں تم سے دھنی، تم سے سندر، تم سے اجت دار لوگ ہیں، میں ان کا ہاتھ کیوں نہیں پکڑتی؟ تمھاری یہ دُرگت ہی آج کیوں ہوئی؟ جو رسّی تمھارے گلے میں پڑ گئی ہے اسے تم لاکھ جا ہو پر توڑ نہیں سکتے۔ اور نہ میں تمھیں چھوڑ کر کہیں جاؤں گی، مجوری کروں گی، بھیک مانگوں گی، پر تمھیں چھوڑوں گی نہیں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے داتادین کا ہاتھ چھوڑ دیا اور پھر کھلیان میں جا کر اناج اُسانے لگی۔ ہوری ابھی تک وہاں غلّہ مانڈ رہا تھا۔ دھنیا اسے کھانا کھانے کو بلانے آئی تھی۔ ہوری نے بیلوں کو پیرے سے باہر نکال کر ایک درخت سے باندھ دیا۔ اور سلیا سے بولا: "تو بھی جا، کھا پی آ سلیا۔ دھنیا یہاں بیٹھی ہے، تیری پیٹھ پر کی ساڑی تو لہو سے رنگ گئی ہے رے! کہیں گھاؤ پک نہ جائے۔ تیرے گھر والے بڑے کسائی (قصائی) ہیں۔"

سلیا نے ان کی طرف غمگین آنکھوں سے دیکھا: "یہاں کسائی کون نہیں ہے دادا؟ میں نے تو کسی کو دیادان نہیں پایا۔"

"کیا کہا پنڈت نے؟"

"کہتے ہیں کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔"

"اچھا ایسا کہتے ہیں!"

"سمجھتے ہوں گے کہ اس طرح اپنے منہ کی لالی رکھ لیں گے، پر جس بات کو دنیا جانتی ہے اُسے کیسے چھپا لیں گے؟"

"میری روٹیاں بھاری ہیں تو نہ دیں۔ میرے لئے کیا؟ مجوری اب بھی کرتی ہوں، تب بھی کروں گی۔ سونے کو ہاتھ بھر جگہ تم ہی سے مانگوں گی تو کیا تم نہ دو گے؟

دھنیا ترس کھا کر بولی۔ "جگہ کی کون کمی ہے بیٹی؟ تو چل، میرے گھر رہ!"

ہوری نے آزردگی سے کہا۔ "بلاتی تو ہے مگر پنڈت کو جانتی نہیں؟"

دھنیا نے بے خوفی سے کہا۔ "بگڑیں گے تو ایک روٹی بیسی کھالیں گے اور کیا کریں گے؟ کوئی ان کی دبیل ہوں؟ اس کی آبرو لی، برادری سے نکلوایا اور اب کہتے ہیں کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔ آدمی ہے کہ کسائی؟ یہ اسی نیت کا آج پھل ملا ہے۔ پہلے نہیں سوچ لیا تھا۔ تب تو موج اڑاتے رہے۔ اب کہتے ہیں کہ مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔"

ہوری کے خیال سے دھنیا غلطی کر رہی تھی۔ "سلیا کے گھر والوں نے متئی کو کتنا بے دھرم کر دیا۔ یہ کوئی اچھا کام نہیں کیا۔ سلیا کو چاہے مار کے لے جاتے، چاہے دلار کر کے لے جاتے وہ ان کی لڑکی ہے۔ متئی کو کیوں بے دھرم کیا؟"

دھنیا نے ڈانٹ بتائی۔ "اچھا رہنے دو، بڑے نیائی بنے ہو! مرد مرد سب ایک ہوتے ہیں۔ اس کو متئی نے بھرسٹ کیا تب تو کسی کو برا نہ لگا اور اب جو متئی بے دھرم ہو گئے تو کیوں بُرا لگتا ہے؟ کیا سلیا کا دھرم دھرم نہیں ہے؟

رکھنے کو تو چمارن، اس پر بڑے نیم دھرم والے بنتے ہیں! بڑا اچھا کیا ہر کھو چودھری نے۔ ایسے گنڈوں کی یہی دوا ہے۔ تو چل سلیا میرے گھر، بجانے کیسے بیدرد ماں باپ ہیں کہ بے چاری کی ساری پیٹھ لہولہان کر دی۔ تم جا کے سونا کو بھیجدو میں اسے لے کر آتی ہوں۔"

ہوری گھر چلا اور سلیا دھنیا کے پیروں پر گر کر رونے لگی۔

سونا سترھویں سال میں تھی۔ اور اس سال اُس کا بیاہ کرنا ضروری تھا۔ ہوری تو دو سال سے اسی فکر میں تھا مگر ہاتھ خالی ہونے سے کوئی قابو نہ چلتا تھا مگر اس سال جیسے بھی ہو اس کا بیاہ کر ہی دینا چاہیئے، چاہے قرض لینا پڑے چاہے کھیت رہن رکھنے پڑیں اور تنہا ہوری کی بات چلتی تو دو سال پہلے ہی بیاہ ہو گیا ہوتا۔ وہ کفایت سے کام کرنا چاہتا مگر دھنیا کہتی تھی کہ چاہے کتنا ہی ہاتھ باندھ کر خرچ کرلو دو ڈھائی سو تو لگ ہی جائیں گے۔ جھنیا کے آجانے سے برادری میں ان لوگوں کا درجہ کچھ گر گیا تھا اور سو دو سو دئے بغیر کوئی اچھا لڑکا نہ مل سکتا تھا۔ پچھلے سال چیت کی فصل میں کچھ نہ ملا تھا تو پنڈت داتا دین سے آدھے کا ساجھا مگر پنڈت جی نے بیج اور مزدوری کی کچھ ایسی تفصیل بتائی کہ ہوری کے ہاتھ ایک چوتھائی سے زیادہ اناج نہ لگا اور لگان دینا پڑ گیا پورا۔ ایکھ اور سن کی فصل برباد ہو گئی، سن تو بارش زیادہ ہونے اور ایکھ دیمک لگ جانے سے۔ ہاں اس سال کی وہی فصل اچھی تھی۔ اور ایکھ بھی خوب لگی ہوئی تھی۔ بیاہ کے لئے اناج تو موجود ہی تھا، دو سو روپئے بھی ہاتھ آجائیں تو وہ لڑکی کے فرض سے سبکدوش ہو جائے۔ اگر گوبر سو روپئے کی مدد کرے تو بقیہ سو روپئے ہوری کو آسانی سے مل جائیں گے۔ جھنگری سنگھ اور منگرو ساہ دونوں ہی اب کچھ نرم پڑ گئے تھے۔ جب گوبر پردیس میں کما رہا ہے تو ان کے روپئے مارے نہ پڑ سکتے تھے۔

ایک دن ہوری نے گوبر کے پاس دو تین دن کے لئے جانے کی تجویز کی۔ مگر دھنیا ابھی تک گوبر کے وہ سخت الفاظ نہ بھولی تھی۔ وہ گوبر کو ایک پیسہ بھی

نہ لینا چاہتی تھی، کسی طرح نہیں۔

ہوری نے جھنجلا کر کہا: "پر کام کیسے چلے گا یہ بتا۔"

دھنیا سر ہلا کر بولی: "مان لو کہ گوبر پردیس نہ گیا ہوتا تب تم کیا کرتے وہی اب کرو۔"

ہوری کی زبان بند ہو گئی، لمحہ بھر بعد بولا: "میں تو تجھ سے پوچھتا ہوں۔"

دھنیا نے جان بچائی: "یہ سوچنا مردوں کا کام ہے۔"

ہوری کے پاس جواب تیار تھا: "مان لے کہ میں نہ ہوتا اور تو ہی اکیلی ہوتی تب تو کیا کرتی؟ وہی کر۔"

دھنیا نے حقارت سے دیکھا: "تب میں کُسا کینا بھی دے دیتی تو کوئی ہنسنے والا نہ تھا۔"

ایسا تو ہوری بھی کر سکتا ہے۔ اسی میں اس کی خیر بھی تھی۔ مگر گھر کی مرجاد کیسے چھوڑ دے؟ اس کی بہنوں کی بیاہ میں تین تین سو برانی دروازے پر آئے تھے۔ جہیز بھی اچھا دیا گیا تھا۔ ناچ، تماشا، باجے گاجے، ہاتھی گھوڑے، سب ہی تھے۔ آج بھی برادری میں اس کا نام ہے۔ دس گاؤں کے لوگوں سے اس کا میل جول ہے۔ کُسا کینا دے؟ درخت ہے، زمین ہے اور کچھ ساکھ بھی ہے۔ اگر وہ ایک بیگھہ بھی بیچ دے تو دو سو مل جائیں، مگر کسان کے لئے زمین جان سے بھی زیادہ عزیز ہے، خاندانی وقار سے بھی زیادہ عزیز ہے! اور کل تین ہی بیگھے اس کے پاس ہیں۔ اگر ایک بیگھہ بیچ دے تو پھر کھیتی کیسے کرے گا؟

اسی حیص بیص میں کئی دن گزر گئے اور ہوری کچھ فیصلہ نہ کر سکا۔ دسہرے کی چھٹیوں کے دن تھے۔ جھنگری، پٹیشوری اور نوکھے رام تینوں

کے لڑکے تعطیل میں گھر آئے تھے۔ تینوں انگریزی پڑھتے تھے اور اگرچہ تینوں بیس بیس برس کے ہو گئے تھے مگر ابھی تک یونیورسٹی میں جانے کا نام نہ لیتے تھے۔ ایک ایک درجے میں دو دو تین تین سال پڑے رہتے۔ تینوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔

پٹیشوری کے سپوت بندلیشوری تو ایک لڑکے کے باپ بھی ہو چکے تھے۔ تینوں دن بھر تاش کھیلتے، بھنگ پیتے اور چھیلا بنے گھومتے پھرتے تھے۔ اور دن میں کئی کئی بار ہوری کے دروازے کی طرف تاکتے ہوئے نکلتے اور کچھ ایسا اتفاق تھا کہ جس وقت وہ نکلتے اس وقت سونا بھی کسی نہ کسی کام سے دروازے پر آ کھڑی ہوتی۔ ان دنوں وہ دہی ساڑھی پہنتی تھی جو گوبر اس کے لئے لایا تھا۔ یہ سب تماشا دیکھ دیکھ کر ہوری کا خون خشک ہوا جاتا تھا گویا اس کی کھیتی چوپٹ کرنے کے لئے آسمان پر اولے والے زرد بادل اٹھے چلے آتے ہوں۔

ایک دن تینوں اسی کنوئیں پر نہانے جا پہنچے، جہاں ہوری ایکھ سینچنے کے لئے پُر چلا رہا تھا۔ سونا پرلے رہی تھی۔ ہوری کا خون آج کھول اٹھا۔

اسی شام کو دلاری کے پاس گیا۔ سوچا کہ عورتوں میں رحم ہوتا ہی، شاید اس کا دل پسیج جائے اور کم سود پر روپیہ دے دے مگر دلاری اپنا ہی رونا لے بیٹھی۔ گانوں میں ایسا کوئی گھر نہ تھا جس پر اس کے کچھ روپئے نہ آتے ہوں حتّٰی کہ جھنگری سنگھ پر اس کے بیس روپئے آتے تھے۔ لیکن کوئی دینے کا نام نہیں لیتا تھا۔ بے چاری کہاں سے روپئے لاتے؟

ہوری نے گڑ گڑا کر کہا: بھابھی بڑا اپن ہوگا۔ تم روپئے نہ دوگی، یہ میرے گلے کی پھانسی کھول دوگی۔ جھنگری، اور پٹیشوری میرے کھیتوں پر دانت لگائے ہوئے ہیں میں سوچتا ہوں کہ باپ دادوں کی یہی تو نشانی ہے، یہ نکل گئی تو جاؤں گا کہاں؟ ایک سپوت وہ ہوتا ہے کہ گھر کی سمپت (دولت)

بڑھتا ہے۔ میں ایسا کپوت ہو جاؤں کہ باپ دادوں کی کمائی پر جھاڑو پھیر دوں!"

دلاری نے قسم کھائی "ہوری! میں ٹھاکر جی کے چرن چھو کر کہتی ہوں کہ اس سمے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ جس نے لیا وہ دیتا نہیں تو میں کیا کروں؟ تم اپنے ہی تو ہو، سونا بھی اپنی ہی لڑکی ہے، پر تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ تمھارا ہی بھائی ہیرا ہے۔ بیل کے لئے پچاس روپئے لئے۔ اس کا تو کہیں پتا ٹھکانا نہیں اس کی گھر والی سے مانگو تو لڑنے کو تیار ہے۔ سو بھا بھی دیکھنے میں بڑا سیدھا ہے مگر پیسہ دینا نہیں جانتا اور اصل بات تو یہ ہے کہ کسی کے پاس ہو ہی نہیں دے کہاں سے؟ سب کی دسا دیکھتی ہوں، اسی مارے صبر کر جاتی ہوں لوگ کس طرح پیٹ پال رہے ہیں اور کیا۔ کھیتی باڑی بیچنے کی میں صلاح نہ دوں گی۔ کچھ نہیں ہے، مرجاد تو ہے۔"

پھر سرگوشی کرتی ہوئی بولی "پٹیسری لالا کا لونڈا تمھارے کی طرپھ (طرف) بہت چکر لگایا کرتا ہے۔ تینوں کا وہی حال ہے۔ ان سے چوکنا رہنا۔ یہ سہر کے ہو گئے، گانوں کا بھائی چارہ کیا سمجھیں؟ لڑکے گانوں میں بھی ہیں۔ مگر ان میں کچھ سرم ہے، کچھ ادب ہے اور کچھ ڈر ہے۔ یہ سب تو چھوٹے سانڈ ہیں میری کوسلیا سسرال سے آئی تھی مگر میں نے ان سبوں کے ڈھنگ دیکھ کر اس کے سسر کو بلا کر بدا کر دیا۔ کوئی کہاں تک پہرا دے؟"

ہوری کو مسکراتا دیکھ کر اس نے میٹھے شکوے کے لہجے میں کہا "ہنسو گے ہوری، تو میں بھی کچھ کہہ دوں گی۔ تم کیا کسی سے کم نٹ کھٹ تھے؟ دن میں پچاسوں بار کسی نہ کسی بہانے سے میری دوکان پر آیا کرتے تھے، پر میں نے کبھی تاکا تک نہیں۔"

ہوری نے نرم احتجاج کے ساتھ کہا "یہ تو تم جھوٹ بولتی ہو بھابھی!

میں بنا کچھ رس پائے تھوڑا ہی آتا تھا۔ چڑیا ایک بار پُرچ جاتی ہے تب ہی دوسری بار آنگن میں آتی ہے۔"

"چل جھوٹے!"

"آنکھوں سے نہ تاکتی رہی ہو، پر تمھارا من تو تاکتا ہی تھا، بلکہ بلاتا تھا"

"اچھا رہنے دو، بڑے آئے جوتسی بن کے! تمھیں بار بار منڈرات دیکھ کے مجھے دَیا آجاتی تھی، نہیں تم ایسے کوئی بانکے جوان نہ تھے۔"

حسینی ایک پیسے کا نمک لینے آگیا اور یہ مذاق بند ہوگیا۔ حسینی نمک لیکر چلا گیا تو دلاری نے پھر کہا: "گوبر کے پاس کیوں نہیں چلے جاتے؟ دیکھتے بھی آؤ گے اور سایت (شاید) کچھ مل بھی جائے۔"

ہوری مایوسی سے بولا: "وہ کچھ نہ دے گا۔ لڑکے چار پیسے کمانے لگتے ہیں تو آنکھ بدل جاتی ہے۔ میں تو بے حیائی کرنے کو تیار تھا پر دھنیا نہیں مانتی۔ اس کے بنا کہے چلا جاؤں تو گھر میں رہنا دوبھر کردے۔ اس کا سبھاؤ تو جانتی ہو۔"

دلاری نے طنز یہ کہا: "تم تو مہریا کے جیسے گلام (غلام) ہوگئے۔"

"تم نے پوچھا ہی نہیں تو کیا کرتا؟"

"میری گلامی کرنے کہتے تو میں نے لکھ لیا ہوتا، سچ۔"

"تو اب سے کیا بگڑا ہے؟ لکھا لو نا! دو سو میں لکھتا ہوں، ان داموں مہنگا نہیں ہوں۔"

"تب دھنیا سے تو نہ بولوگے؟"

"نہیں، کہو کسم کھالوں۔"

"اور جو بولے؟"

"تو میری جیبھ کاٹ لینا۔"

"اچھا تو جاؤ، لڑکا ٹھیک ٹھاک کر دو، میں روپئے دے دوں گی۔"
ہوری نے آنسو بہاتے ہوئے دلاری کے پیر پکڑ لئے۔ رقت سے زبان بند ہو گئی۔
سیٹھانی نے پاؤں کھینچ کر کہا "اب یہی سرارت تو مجھے اچھی نہیں لگتی میں سال بھر کے اندر اپنے روپئے سود سمیت کان پکڑ کر لے لوں گی۔ تم تو بیوپار کے ایسے سچے نہیں ہو مگر دھنیا پر مجھے بسواس ہے۔ سُنا کہ پنڈت تم سے بہت بگڑے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اسے گاؤں سے نکال کر نہ چھوڑا تو بامھن نہیں۔ تم سلیا کو نکال باہر کیوں نہیں کرتے؟ بیٹھے بٹھائے جھگڑا مول لے لیا۔"
"دھنیا اسے رکھے ہوئے ہے، میں کیا کروں؟"
"سنا ہے کہ پنڈت کاشی گئے تھے۔ وہاں ایک بڑا نامی پنڈت ہے وہ پانچ سو مانگتا ہے تب پراسچت کرے گا۔ بھلا پوچھو، ایسا اندھیر کہیں ہوا ہے جب دھرم چلا گیا تو ایک نہیں ہجار (ہزار) پراسچت کر دو تو کیا ہوتا ہے۔ تمھارے ہاتھ کا چھوا پانی کوئی نہ پیئے گا، چاہے جتنا پراسچت کرو۔"
ہوری یہاں سے گھر چلا تو اس کا دل اچھل رہا تھا۔ زندگی میں ایسا سکھ دینے والا تجربہ اسے کبھی نہ ہوا تھا۔ راستے میں سوبھا کے گھر گیا اور سگائی لے کر چلنے کے لئے نیوتہ دے آیا۔ پھر دونوں داتا دین کے پاس سگائی کی ساعت پوچھنے گئے۔ وہاں آکر دروازے پر سگائی کی تیاریوں کا مشورہ کرنے لگے۔
دھنیا نے باہر نکل کر کہا "پہر رات گئی۔ ابھی روٹی کھانے کی بیرا نہیں آئی؟ کھا کر بیٹھو۔ باتیں کرنے کو ساری رات پڑی ہے۔"
ہوری نے اُس سے بھی مشورے میں شریک ہونے کا اصرار کرتے ہوئے

"اسی سہالگ میں لگن ٹھیک ہوئی ہے۔ بتا کیا کیا سامان لانا چاہیئے۔ مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔"

"جب کچھ معلوم ہی نہیں تو صلاح کرنے کیا بیٹھے ہو؟ کچھ روپئے پیسے کا ٹھیک بھی ہوا ہے کہ من کی مٹھائی کھا رہے ہو؟"

ہوری نے شان سے کہا۔ "تجھے اس سے کیا مطلب؟ تو اتنا بتا دے کہ کیا کیا سامان لانا ہوگا؟"

"تو میں ایسی من کی مٹھائی نہیں کھاتی۔"

"تو اتنا بتا دے کہ ہماری بہنوں کے بیاہ میں کیا کیا سامان آیا تھا۔"

"پہلے یہ بتا دو کہ روپئے مل گئے۔"

"ہاں مل گئے اور نہیں تو کیا بھنگ کھائی ہے۔"

"تو پہلے چل کر کھا لو، پھر صلاح کریں گے۔"

"مگر جب اس نے سُنا کہ دلاری سے بات چیت ہوئی ہے تو ناک سکیڑ کر بولی۔ "اس سے روپئے لے کر آج تک کوئی اُرن ہوا ہے؟ چڑیل کتنا کس کر سود لیتی ہے۔"

"لیکن کرتا کیا؟ دوسرا دیتا کون ہے؟"

"یہ کیوں نہیں کہتے کہ اسی بہانے دو گال ہنسنے بولنے گیا تھا؟ بوڑھے ہو گئے پر وہ بان نہ گئی۔"

"تو تو دھنیا بچوں کی سی باتیں کرنے لگتی ہے۔ میرے جیسے پھٹے حالوں سے وہ ہنسے بولے گی؟ سیدھے منہ بات تو کرتی نہیں۔"

"تم جیسوں کو چھوڑ کر اس کے پاس اور جائے ہی گا کون؟"

"اس کے دُوار پر اچھے اچھے ناک رگڑتے ہیں۔ دھنیا! تو کیا جانے؟

اس کے پاس کچھی ہے۔"

"اس نے تنک سی حامی بھر دی تو تم سب جگہ گاتے پھرنے لگے۔"

"حامی نہیں بھر دی، پکا وعدہ کیا ہے۔"

ہوری روٹی کھانے گیا اور سوبھا اپنے گھر چلا گیا تو سونا سلیا کے ساتھ باہر نکلی۔ وہ دروازے پر کھڑی ساری باتیں سن رہی تھی۔ اس کی سگائی کے لئے دو سو روپئے دلاری سے ادھار لئے جا رہے ہیں، یہ بات اس کے پیٹ میں ایسی کھلبلی مچا رہی تھی جیسے تازہ چونا پانی میں پڑ گیا ہو۔ دروازے پر ایک کپی جل رہی تھی جس سے طاق کے اوپر کی دیوار سیاہ ہو گئی تھی۔ دونوں بیل ناند میں سانی کھا رہے تھے۔ اور ایک کتا زمین پر ٹکڑے کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ دونوں بیلوں کی چری کے پاس آ کر کھڑی ہو گئیں۔

سونا بولی: "تو نے کچھ سنا؟ دادا ٹھاکر سے میری سگائی کے لئے دو سو روپئے ادھار لے رہے ہیں۔"

سلیا گھر کا ذرا ذرا حال جانتی تھی بولی: "گھر میں پیسہ نہیں ہے تو کیا کریں؟"

"سونا نے سامنے کے سیاہ درختوں کی طرف تاکتے ہوئے کہا: "میں ایسا بیاہ نہیں کرنا چاہتی جس میں ماں باپ کو ادھار لینا پڑے۔ کہاں سے دیں گے بے چارے؟ بتا! پہلے ہی رن کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں، دو سو اور لیں گے تو بوجھ اور بھاری ہو جائے گا کہ نہیں؟"

"بنا جہیز لئے بڑے آدمیوں کا کہیں بیاہ ہوتا ہے پگلی؟ دیج (جہیز) کے بنا تو کوئی بوڑھا ہی ملے گا۔ جائے گی بوڑھے ساتھ؟"

"بوڑھے کے ساتھ کیوں جاؤں؟ بھیا بوڑھے تھے جو جھنیا کو لے آئے؟